توہین حیوان

تحریر: سہیل احمد لون

چند روز قبل جناب حسن نثار کی ایک تحریر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کے خیال کے مطابق ''کیونکہ انسان کے اندر سے ابھی تک ''جنگ'' باہر نہیں نکلا۔ اسی لیے انسان نے ہیروز کو جنگلی جانوروں سے منسلک کرنا اپنی عادت بنالی ہے۔ مثلاً فلاں شیر کی طرح دلیر یا عقاب کی طرح بلند حوصلہ ہے۔ حالانکہ شیر بے چارہ خاصا بے شرم ہے جو شیرنی کی کمائی پر پلتا ہے اور چند لگڑ بگڑ دیکھ کر بھاگ اٹھتا ہے۔ جبکہ عقاب کی اوقات یہ ہے کہ وہ معصوم ترین پرندوں یعنی کبوتروں کے خون وگوشت پر پلتا ہے''۔ ویسے جانوروں کے متعلق ہم انسان اپنی رائے دیتے ہوئے اس لیے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کیونکہ ہم کو پتہ ہوتا ہے کہ ''توہین حیوان'' کرنے کی سزا ہمارے ملک میں ابھی تجویز نہیں ہوئی۔ وطن عزیز میں انسان کے ساتھ انسان جو سلوک کر رہا ہے وہ کوئی حیوان بھی نہیں کرتا۔ شیر اگر دلیری کی علامت نہ ہوتا تو حضرت علیؓ کو شیر خدا نہ کہا جاتا۔ شیر کو اپنا شکار کرنے کے لیے کسی ٹیٹو فورس کی ضرورت نہیں ہوتی، پیٹ کی آگ ٹھنڈی کر کے وہ اپنی کچھار میں کچھ ذخیرہ نہیں کرتا۔ عقاب کی پرواز ہی بلند نہیں بلکہ وہ بلند حوصلہ بھی ہے شاید اسی وجہ سے شاعر مشرق نے عقاب کی مختلف خصوصیات کی بنا پر اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ یہ عقاب کا بلند حوصلہ ہی ہے کہ وہ جتنا موسم خراب ہوا اتنا ہی بلند پرواز کرتا ہے اور ہوا کی مخالف سمت میں اڑنا عقاب کا شیوا ہے۔ درویشی کی یہ حالت کہ اپنا گھر تک بنانے کا نہیں سوچتا۔ ہم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات سمجھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں مگر ہمارے اعمال سے حیوانوں کو اس بات پر ناز ہو گا کہ وہ انسان نہیں۔ یہ قانون فطرت ہے کہ شیر اور عقاب صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اپنے سے کمزور جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں طمع یا حرص کا کوئی پہلو شامل نہیں ہوتا۔ اگر حیوان احتجاج کر سکتے تو مسلم لیگ نون کے خلاف سب بڑے احتجاجی دھرنے شیروں کے ہوتے۔ کیونکہ نون لیگ نے اپنی گورنس سے سب سے زیادہ ''توہین شیر'' کی ہے۔ ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہمیں آج تک پتہ نہیں چلا شیر واقعی دلیر ہے جسے دنیا میں شاہ جنگل کے نام سے جانا جاتا ہے یا وہ حقیقت میں بے شرم و بزدل ہے جو شیرنی کی کمائی پر پلتا ہے اور لگڑ بگڑ کو دیکھ کر بھاگ اٹھتا ہے۔ یعنی ہم کو ہیرو یا زیرو میں ابھی تک فرق کرنا نہیں آیا۔ عبدالقادر ملا کو انکے ملک بنگلہ دیش کے عدالتی حکم پر پھانسی دے دی گئی۔ ہم نے اسمبلی میں فوری قرار داد پیش کر دی اور عبدالقادر ملا کو ہیرو بنا کر پیش کر دیا۔ دوسری طرف ایسا طبقہ بھی ہے جس کے نزدیک یہ بنگلہ دیش کا داخلی معاملہ ہے۔ طالبان رہنماء کے مارے جانے پر کوئی اسے شہید کے مرتبے پر فائز کر کے اسے ہیرو کا درجہ دیتا ہے تو کوئی دہشت گردی کے سرغنہ کا عبرت ناک انجام خیال کرتا ہے۔ امریکی سپاہ اسامہ بن لادن پر بھی ایسا ہی ردعمل دیکھنے کو ملا۔ اب تو حالات یہ ہیں کہ (بقول مولانا فضل الرحمٰن) کتے بھی شہید کہلائے جاتے ہیں۔ حقیقی جمہوریت کی خاطر جوانی اسیر میں گزارنے والے نیلسن منڈیلا کی وفات پر ان کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرنے دنیا کے کافی ممالک کے سربراہان ساؤتھ افریقہ تشریف لائے۔ ان میں برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون بھی تھے جو زمانہ طالب

علمی میں نیلسن منڈیلا کو سولی پر لٹکتا دیکھنے کے خواہش مندوں میں سے ایک تھے۔مگر وقت کے ساتھ ڈیوڈ کیمرون کو بھی نیلسن منڈیلا کو ہیرو تسلیم کرنا پڑا۔مگر ہم شاید اتنی اخلاقی جرات کے مالک نہیں ہوئے کہ کسی دہشت گرد کو ظالم اور سفاک کہہ سکیں۔ حسن ناصر اور ڈاکٹر عبد السلام کو ہیرو کا درجہ دینے یا قومی ہیرو کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔جس ملک میں جنرل اور ملاں حضرات کوئی بھی غیر انسانی فعل کر کے بھی ہیرو کے درجے پر فائز رہیں اور ان سے کوئی پوچھ بھی نہیں سکتا۔کیونکہ ملاں کے خلاف بولنا فتوی، اور جنرل کے خلاف بولنا غداری کے زمرے میں آتا ہے جس کی سزا عبرت ناک موت کے سوا کچھ نہیں۔جرمنی کے تمام شہروں میں اگر سڑکوں کے ناموں کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جرمن قوم کے ہیروز سائنسدان، دانشور، ادیب، فلاسفر اور قوم پرست سیاستدان ہیں اسی وجہ سے انہوں سڑکوں کا نام انہیں لوگوں کے نام پر رکھا ہوتا ہے۔ہائیڈل برگ میں اقبال اوفر کے نام سے ایک شاہراہ بھی ہے جو شاعر مشرق علامہ اقبال کے نام سے منسوب کی گئی ہے کیونکہ کسی وقت علامہ اقبال نے جرمنی کے شہر ہائیڈل برگ میں قیام کیا تھا۔یورپ، برطانیہ اور دیگر ترقی یافتہ مما لک میں اکثر ٹاؤن سنٹرز میں کسی سائنسدان، فلاسفر، ادیب، دانشور کا مجسمہ بھی لگا ہوتا ہے۔مگر وطن عزیز میں قائداعظم، قائد ملت، مادر ملت، دختر ملت جیسے ٹائٹل تو مل جاتے ہیں مگر ان کی پزیرائی نہیں کی جاتی۔ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر قدیر خان جیسے قومی ہیروز کے ساتھ جیسا سلوک ہوا اسے دیکھ کر آئندہ نسلوں میں سائنسدان بننے کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔

ہم حیوانوں کو منفی نظر سے دیکھنے کی بجائے اگر مثبت انداز سے دیکھیں تو ان میں ایسی کئی خصوصیات نظر آئیں گی جو ہم میں ہوں تو اصلی ہیرو بن سکتے ہیں۔چیونٹی جفاکش ہے اپنے سے کہیں زیادہ وزن اٹھاتی ہے اور ہمت نہیں ہارتی، کتا وفادار بھی ہے اور قناعت پسند بھی، کوے کو دیکھا جائے تو کھانے والی چیز دیکھ کر شور مچا کر اپنی ساری برادری کو اکٹھا کر لیتا ہے، پرندوں میں نظم وضبط کا یہ عالم کہ ہوا میں اڑتے پرندے آپس میں ٹکرا کر کبھی زمین پر نہیں گرتے، بلی یا چیل کو دیکھ کر مرغی اپنے چوزوں کو پروں کے نیچے کر لیتی ہے کبھی کبھار دشمن پر دفاعی حملہ بھی کر دیتی ہے۔ ہمارے ہاں لیڈر شپ خود تو بلٹ پروف گاڑیوں میں ہوتے ہیں اور غریب عوام کو موت کے منہ میں دھکیل دیتے ہیں۔شیر اور عقاب پیٹ بھرا ہو تو کسی کا شکار نہیں کرتا مگر انسان میں بھوک نہیں ہوس کی وہ آگ ہوتی ہے جو کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ہم شاید حیوانوں کی اچھی باتیں اس لیے نہیں اپناتے کہ کہیں حیوانی صفات اپنانے سے انسانیت کی توہین نہ ہو جائے۔اسی نرگسیت میں ہم توہین حیوان کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔اور اگر کبھی کوئی حیوان توہین انسان کا مرتکب ہو جائے تو ہم اُس کو حیوان کہہ دیتے ہیں لیکن انسان جب چاہے حیوانی رویہ اپنا لے چند دنوں بعد پھر انسان کا انسان ہی رہتا ہے۔یہ دنیا دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر یہ طاقتوروں کی دنیا ہے تو پھر یہ یقیناً حیوانوں کی دنیا ہے اور ابھی انسان کو برابری اور انصاف کی حکومت قائم کرنے کیلئے بہت صدیاں سفر کرنا پڑے گا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com